صدر قذافی اور احادیثِ نبویؐ

جناب نعیم صدیقی صاحب

صدر قذافی نے حال ہی میں ایک تقریر لیبیا کی مسجد "مسجد مولائی محمد" میں صادر فرمائی جس میں انہوں نے اس قضیے کو چھیڑا جس سے عرب ممالک کے مختلف جرائد اور اہل قلم اپنے اپنے طور پر تعرض کر رہے ہیں[۱]

صدر قذافی کی گفتگو کا مرکزی مضمون یا ماحصل یہ ہے کہ رسول کی سنّت کی پیروی تو ضروری ہے لیکن احادیث کو یہ مقام حاصل نہیں ۔ سنّت ایک الگ چیز ہے ، اور احادیث بالکل دوسری شے ہیں ۔ سنّت کی مثال یہ دی ہے کہ رسول اللہؐ مسلمانوں کے سامنے نماز صبح کی دو رکعتیں پڑھتے تھے ، ظہر کی چار ، مغرب کی تین ، (اسی طرح دوسری نمازیں) اس سے زائد اگر نماز میں کچھ اضافہ کرتے تو فرماتے کہ یہ بطور نفل ہیں ۔ یہ تھا وہ علانیہ طریقہ جس کو مسلمانوں کے سامنے آپؐ نے عمل سے واضح کر دیا ۔ پھر مسلمانوں کی نماز کا یہ طریقہ ایک زمانے سے دوسرے زمانے ، اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل ہوتا رہا ۔ صدر قذافی کا قول یہ ہے کہ "یہ صورت ہے جس کے صحیح ہونے کا ہم یقین رکھتے ہیں ، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم یہ جان ہی نہ سکتے کہ قرآن میں نماز کا جو ذکر ہے" اس سے کیا مُراد ہے ۔

صدر قذافی کا مدّعا یہ ہے کہ سنّت عملی شکل میں منتقل ہوتی ہے ۔ رہا اُن اقوال اور بیانوں کا تعلق

---

[۱] کویت کے مجلہ المجتمع سے استفادہ کر کے یہ مضمون لکھا گیا ۔ یہ کسی مضمون کا ترجمہ نہیں ہے ، بلکہ ایک مستقل تحریر ہے ۔ (ن ۔ ص)

جو احادیث میں رسولِ خدا کے متعلق ہیں، اُن کو وہ غیر یقینی قرار دیتے ہیں۔ سنّت کو سنّت کے ریکارڈ کے بغیر محض عمل سے پالینے کا تصوّر بڑی پیچیدگیاں رکھتا ہے..... مثلاً سوچیے کہ:

۱۔ حضورؐ کے اعمال کا بصورتِ تقلید و اتباع جو انتقال بہ لحاظ زمان اور بہ لحاظ مکان یکے بعد دیگرے مختلف لوگوں تک ہوا ہے، خود اُن کی شکلیں مسخ ہونے سے نہیں بچ سکیں۔ یہاں تک کہ تفصیلی طور پر نماز جیسی بنیادی اور روزمرّہ کی عبادت کی ظاہری ہیئت میں بھی، اور پڑھے جانے والے کلمات میں بھی مختلف فرقوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ آج بے شمار مسلمان قبروں پر سجدہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بے شمار مسلمان تصوّف کی مختلف اشکال کو لازمۂ اسلامیت سمجھتے ہیں، کوئی تفضیلِ علیؓ کو ایمان کا اساسی تقاضا قرار دیتا ہے، کوئی خارجیت کے انداز پر یزید کی مدح دستائش کو واجب سمجھتا ہے۔

کیا اِن اور اِن جیسی مختلف عملی صورتوں کو آپ سنّت قرار دیں گے، اگر نہیں تو سنّت کو متعیّن کرنے کا طریقہ کیا ہوگا۔

کیا اُمت کے اعمال کی مختلف اشکال لازم نہیں کردیں گی کہ سنّت کا کوئی ریکارڈ تلاش کیا جائے اور اُس کی چھان بین کی جائے؟

۲۔ مسئلہ صرف نماز روزے جیسی عبادت تک محدود نہیں ہے، اسلامی حکومت کے دستوری اُصولوں اور اُن کے عملی نفاذ کی مسنون صورتوں کا بھی ہے، معاش اور معاشرت کے قضایا میں سنّت کی راہوں کو متعیّن کرنے کا بھی ہے، جنگ و صلح اور حدود و تعزیرات اور دعوت و انذار اور جماعت کے تنظیم و تزکیہ کے متعلق بھی احکامِ خداوندی کی تفصیلی عملی اشکال کے فہم و شعور کا بھی ہے۔ یہ سب کچھ اُمّت کے معمولات سے آپ کو کیسے مل سکے گا۔ مثلاً دُنیا بھر کے مسلمانوں میں مطلق العنان بادشاہت کا بھی دور رہا ہے۔ پھر دَورِ حاضر میں اُن کے اندر سے جبر کیش آمریتیں بھی اُبھری ہیں، علاوہ ازیں لادین جمہوری نظام اور اشتراکی ری پبلک کے ڈھانچے بھی نمودار ہوئے ہیں۔ آخر ان سب طریقوں کا شجرۂ نسب آپ خلافتِ راشدہ سے جوڑ کر حضورؐ کی سنت تک کیونکر پہنچائیں گے۔

اس طرح تو سارا دین اُلجھ کر رہ جائے گا اور شریعت کے احکام کو متعین صورت میں حالات پر سنت کے مطابق منطبق کرنا ممکن ہی نہ رہے گا۔

صدر قذافی ذرا سا بھی غور و فکر کریں تو وہ دیکھیں گے کہ قائد اعظم یا اقبال یا شیکسپیئر یا غالب کو، یا کارل مارکس اور ابراہم لنکن کو یا امام غزالی اور مولینا رومی اور شیخ عبدالقادر گیلانی اور امام بخاری کی شخصیتوں کو سمجھنے کے لیے تو زندگی کے ادنیٰ ادنیٰ معاملات کے متعلق ان کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ کاغذ کا ایک پرزہ یا کسی واقعہ سے متعلق ایک سطر بھی بڑی کاوش سے تلاش کی جاتی ہے اور اس سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں ـــــــ حالانکہ ان میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے "مطاع" (واجب الاطاعت) نہیں بنایا گیا، ان میں سے کسی کو سنت کو معیارِ فیصلہ نہیں ٹھہرایا گیا، اور ان میں سے کسی کو بے عیب اسوۂ حسنہ کا حامل نہیں گنا گیا۔ نبیؐ اکرم کا مقام تو ان میں سے کیا غیر مسلم، اور کیا مسلم، ہر ایک سے صدگونہ بلند تر ہے اور حضورؐ کو مقتداء، پیشوا، اسوہ، نمونہ اور معیار قرار دیا گیا ہے۔ پھر کیا ایسی عظیم شخصیت کی تجلیات کی عکاسی کرنے والا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے؟

صدر قذافی یہ مانتے ہیں کہ یہ ریکارڈ احادیث کے عنوان سے موجود ہے، اگر وہ کہتے ہیں کہ اس پہ قرآن کی طرح یقین نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے متعلق شکوک و شبہات برقرار رہتے ہیں۔

اسی کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر آج رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور کوئی بات زبان سے ادا کرتے، ہم اُسے لکھ لیتے تو بس سارا معاملہ ٹھیک تھا۔ ہم اِس ریکارڈ کو اس بات کے علی الرغم قبول کرتے کہ ہماری گردنوں کے کٹ جانے کا خطرہ ہوتا۔

اب قذافی صاحب کے اس ارشاد پہ ذرا سا غور کیجیے۔ اس میں یہ اعتراف موجود ہے کہ حضورؐ نے اگر کوئی بات فرمائی ہو اور اس کا یقینی علم (یا ظنِ غالب) حاصل ہو جائے تو اسے قبول کرنا اور اس پہ عمل کرنا لازم ہے۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسولِ برحق کے کلام اور حضورؐ کے اعمال (جنہیں کسی نے دیکھا ہو) ایسی ہی اہمیت رکھتے ہیں اور دین و شریعت کا نظام ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تو پھر ان کے فرمودات کے مطابق آج کی اُمتِ محمدیہ کے ہاں تو سنت کے یقینی ریکارڈ کا خلاء پایا جاتا ہے اور یہ خلاء اگر ہے تو دین و شریعت کا سارا نظام ہی ادھورا ہو گیا۔ آخر آپ اس خلاء کو کیسے پورا کریں گے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضورؐ کے فرمودات اور معمولات یا بالفاظِ دیگر سنّت کے مختلف پہلو اگر آپ

کے مشاہدہ میں آجاتے اور آپ اُن کو لکھ لیتے تو کیا یہی سوال آپ کے بعد آنے والی نسلوں میں نہ پیدا ہو جاتا کہ قذافی صاحب کے دور میں اور اُن کے بعد سنت کا جو ریکارڈ رکھا گیا، اور جانچا، پرکھا گیا وہ ہماری نگاہوں میں مشکوک ہے۔ ہم اگر خود دیکھتے تو مان لیتے۔

اس سوال کو سامنے رکھیں تو پھر نتیجہ کے طور پر تیسرا سوال یہ نمودار ہوتا ہے کہ قول و فعل رسولؐ یا سنتِ رسولؐ کا جو ریکارڈ حضورؐ کے صحابہ اور اُن کے شاگردوں نے رکھا، اور جسے محدثین نے جانچا پرکھا اور جس پہ دیانت دار فقہاء نے زندگی کے مختلف شعبوں کی تعمیرات استوار کیں کیا اسے مشکوک قرار دینے کے معنی یہی نہیں نکلیں گے کہ صدر قذافی اور اُن کے معاصرین کے مقابلے میں (نعوذ باللہ) حضورؐ سے تربیت یافتہ صحابہ اور صحابہ کے شاگرد کم قابلِ اعتماد تھے؟

خیر ان سوالوں کو چھوڑیے، ذرا ایک اور زاویہ سے نظر ڈالیں۔ ایک عالم محمد سلیمان الاشقر نے بڑے دلچسپ انداز سے صدر قذافی کا ذہنی گھیراؤ کیا ہے۔ سلیمان پوچھتے ہیں کہ چلیے سنت و احادیث کی بحث کو تھوڑی دیر کے لیے درکنار رکھ کر ہمیں یہ بتائیے کہ جس قرآن کو آپ من جانب اللہ، قابلِ یقین بنائے قانون مانتے ہیں اور جس کی تعلیمات سے اختلاف کرنے کو کسی مسلمان کے لیے درست نہیں سمجھتے ہیں، اس کی یقینی تعلیماتِ منورہ سے سرشار ہو کر آخر آپ نے ایتھوپیا میں صومالی مسلمانوں کے خلاف مخالفِ اسلام حکومت کو مدد کیسے دی؟ اور کیا یہ جائز کارنامہ ہے کہ آپ کے امدادی سامان اور مالی معاونت کا استعمال مسلمانوں کی خونریزی کے لیے ہوا۔ کیا آپ نے قرآن کا یہ حکم نہیں پڑھا تھا کہ یایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء۔ نیز لا تتخذوا الیھود والنصٰرٰی اولیاء؟ آپ نے حدیثوں پر شک اور قرآن پر یقین و انحصار کر کے قرآنی مسلمانی کا یہ نمونہ کیا پیش فرمایا ہے؟ پھر سلیمان پوچھتے ہیں کہ یہ بھی فرمائیے کہ خود لیبیا میں کتنا کچھ نفاذِ شریعت کا کام ہوا ہے؟

دراصل جناب سلیمان الاشقر کے ان نشتری الفاظ کے پردے میں بڑی اہم حقیقت منعکس ہے۔

ؔ قذافی صاحب کو ہم وہ وقت بھی یاد کراتے ہیں جب کہ وہ مصر سے آویزش پر تُل گئے تھے۔ خدا خدا کر کے اس وقت معاملہ کچھ ٹلا۔

وہ یہ ہے کہ جہاں مخالفِ اسلام قوتوں اور نظریات اور تحریکوں اور اُن کی پیدا کردہ ثقافت نے مسلمانوں پر پچھلی دو تین صدیوں سے یہ دباؤ ڈالا ہے کہ وہ احادیث کے مورچے چھوڑ دیں، خود مسلمانوں میں سے بھی جس کسی نے کوئی اوٹ پٹانگ حرکت اپنی شانِ مسلمانی کو برقرار رکھتے ہوئے کرنا چاہی ہے، اُس نے احادیث سے اپنے آپ کو آزاد کرانے کے جتن ضرور کیے ہیں۔ مخالفِ اسلام تحریکوں اور پروگراموں اور رابطوں اور مفاد کے لیے جب کسی نے کام کرنا چاہا تو اُس نے اگر پورے دین کا انکار کرنا مشکل پایا، تو کم از کم احادیث کے نشاناتِ راہ کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش ضرور کی۔ قابلِ توجہ امر یہ بھی ہے کہ تارکینِ احادیث یا منکرینِ سنّت نے خالص قرآنی دین کی علمبرداری کے بعد کسی بھی دَور اور مُلک میں اپنا جو کردار پیش کیا ہے وہ کبھی اسلامی کردار نہ تھا۔ ملحدانہ علوم و افکار اور مادّہ پرستانہ تہذیب کی پورش میں یہ صرف شکست خوردہ مسلمان ہیں جو سرمایۂ احادیث کو بطور خراج اپنے فاتحین کے (نعوذ باللہ) قدموں میں رکھ دیتے ہیں، اور دَورِ حاضر کے تخت کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں کہ ہماری توبہ، ہم باز آئے ان احادیث سے جو ہمیں آزادیٔ فکر و عمل سے محروم کرتی ہیں، بس اب ہماری جان بخشی فرما دیجیے۔

اسی بیماری کا شاخسانہ صدر قذافی صاحب کی پیش کردہ وہ سبز کتاب ہے جسے وہ "نظریۂ ثالثہ" یا "تیسرے راستے" (THIRD WAY) کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ سلیمان صاحب پوچھتے ہیں کہ جب آپ کے پاس اللہ کی نازل کردہ کتاب موجود ہے تو کیا وہ آپ کی سبز کتاب کی محتاج ہے اور وہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہے؟ کل کوئی دوسرا شخص "زرد کتاب" تیسرا "سرخ کتاب" چوتھا "سفید کتاب" (وھلم جرا) پیش کر کے کہہ سکتا ہے کہ قرآن کو مانو، اور اس کے ساتھ میری اس کتاب کو قبول کرو۔

ہر منکر حدیث فرد یا گروہ کی اصل بیماری یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ خیالات اور نظریات اصول اور ضابطے لوگوں پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ مگر چونکہ احادیث (بہ حیثیت تشریحِ احکامِ قرآنی) اس کا راستہ روکتی ہیں، اس وجہ سے وہ اپنی جگہ مجبور ہوتا ہے کہ احادیث کو راستے سے ہٹائے۔ دوسرے لفظوں میں وہ نبیؐ کو مطاع اور شارع، معلم اور مزکی، اسوہ اور نمونہ اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ہونے کے منصبِ اعلیٰ سے ہٹا کر خود لپک کر اس مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی تمام

بحثوں کا ماحصل یہ ہوتا ہے کہ قرآن کو لے لو، باقی ضروریات کے لیے رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے میری طرف رجوع کرو، یا کوئی شخص کسی گروہ یا پارلیمنٹ یا حکومت کی طرف بھی اسی طرز پر بلا سکتا ہے۔

مگر قذافی صاحب یہ عقدہ حل کر دیں کہ رسولؐ تو معصوم ہوتا ہے۔ وہ نہ اپنی ذاتی خواہشات اور نہ غیر متوازن رجحانات میں اُلجھتا ہے، لیکن کیا قذافی یا کسی دوسرے شخص یا گروہ کے متعلق ہم معصومیت کا ویسا تصور باندھ سکتے ہیں اور رسولؐ کی طرح کا اعتماد کر سکتے ہیں؟

منکرینِ حدیث کی ایک لازمی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ علماء کی نہ صرف مخالفت کرتے ہیں بلکہ تحقیر بھی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ رسولؐ کی احادیث کے علم کے وارث اور محافظ ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے احادیث کے انکار کا مشغلہ جبھی جاری رہ سکتا ہے کہ گروہِ علماء کے سر کچھ تاریخی جرائم تھوپے جائیں اور ان کو بے بصیرت بلکہ نالائق ثابت کیا جائے، اور موقع مل جائے تو اُن کے خون سے ہاتھ رنگے جائیں۔

قذافی صاحب نے بھی اس فارمولے پر بڑی خوبی سے عمل کیا ہے۔

وہ علماء کے سر یہ قصور تھوپتے ہیں کہ یہ لوگ یورپ میں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے والے ہیں (ورنہ آج یورپ، برطانیہ، امریکہ سب مسلمان ہوتے)۔ کیسے؟ وہ ایسے کہ ترکیہ کے مصطفیٰ کمال نے جب دین و دنیا میں تفریق کر کے اسلام کو آگے بڑھانا چاہا تو اس گروہ نے اس کی تکفیر کی جس کے نتیجے میں بے شمار مسلمانوں کے سر کٹ گئے۔

اب اگر صدر قذافی نے مصطفیٰ کمال کے شروع کردہ "کارنامۂ تجدید و احیائے دین" کو از سرِ نو آگے بڑھانے کا بیڑا اُٹھایا ہے تو یہی گروہِ علماء اس کی سبز کتاب کو "اَصَحُّ الْکِتَابِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ" تسلیم نہ کر کے دوبارہ وہی غلطی کریں گے اور دوبارہ خمیازہ بھگتیں گے۔ نیز ایک بار پھر یورپ میں فروغِ اسلام کی مساعی برباد ہو جائیں گی۔

باقی ساری برکت و سلامتی ہے تو سوشلزم کے لیے، سیکولرازم کے لیے، ایتھوپیا کے متعصب اور جبر کیش عیسائیوں اور ان کی حمایت کرنے والے روسیوں اور کیوبائیوں کے لیے! اصل خادمانِ اسلام تو بس یہی رہ گئے ہیں۔

منکرینِ حدیث والی یہ بات بھی قذافی صاحب نے دوہرا دی کہ احادیث میں سے جو بھی قرآن کے مطابق ہوگی، اُسے ہم قبول کریں گے، اور جو نہ ہوگی اُسے ہم مسترد کر دیں گے۔

قرآن کی تشریح کے لیے احادیث ہیں، اور احادیث کو جانچنے کے لیے قرآن ہے، اور ماضی میں جن بے شمار علماء ملت نے احادیث کی مفصل جانچ پرکھ کی ہے، ان کے کام کو بالائے طاق رکھ کر قذافی صاحب "سمری ٹرایل" کے اسلوب سے صحتِ احادیث کا فیصلہ کریں گے۔ اور کوئی "و" اور کوئی "ب" یا "ج" اپنی جگہ فیصلہ کرے گا کہ اُسے کونسی حدیث قرآن کے مطابق نظر آتی ہے اور کونسی مخالف۔

یار لوگوں نے تو بات یہاں تک پہنچا دی ہے کہ اگر کسی حدیث میں قرآن کے "خاص" کو "عام" اور "عام" کو "خاص" کیا گیا ہو تو یہ بھی مخالفت و تعارض ہے۔ بلکہ قرآن نے نماز کے سلسلے میں اگر رکوع اور سجدہ اور دوسرے متفرق اجزائے نماز کا ذکر کیا ہے تو کوئی ایسی حدیث مطابقِ قرآن نہیں ہو سکتی جو ان اجزاء کو ایک ایسی ترتیب سے جوڑ کر اور رکعتوں کی تعداد اور خاص خاص اوقات نماز متعین کر کے کہے کہ یوں ہوگی اقامتِ صلوٰۃ۔ قرآن نے صرف یہ چاہا ہے کہ جب کسی کا جی چاہے صرف سجدہ کرے، کبھی صرف رکوع، کبھی صرف حمد۔ باقی نماز تو مجوسی سازش ہے، جسے مُلاؤں نے کمائی کا ذریعہ بنا لیا۔ مسلمان کی تو ساری زندگی نماز ہوتی ہے وہ جہاں، جس حال میں جو بھی کام کر رہا ہے، وہ اس کی دائمی نماز میں شامل ہے۔

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ قذافی صاحب اس خاص معاملے میں پاکستان کے منکرین حدیث سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ یہاں کے استادانِ فن کو چاہیے کہ وہ ان پر بھرپور تبلیغ کریں۔

آخر میں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ فتنۂ انکارِ حدیث سے جو خاص خاص بحثیں پیدا ہوتی ہیں اور جن میں سے کچھ کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے، ان کے جوابات چونکہ بار بار پُر زور طریق سے دیے جا چکے ہیں اور اسی کوشش کا نتیجہ یہ ہے کہ منکرینِ حدیث کا خواب درہم برہم ہو گیا، لہٰذا اب ان باتوں کو دہرانا غیر ضروری ہے۔